تعارفِ کتب

نظرة اجمالية فى تاريخ الدعوة الاسلامية فى الهند والباكستان | صفحات ۱۶۰۔ شائع کردہ لجنۃ الشباب المسلم قاہرہ مصر۔ قیمت ۷ قرش تقریباً ۱۲ آنہ مصنف مولانا مسعود عالم صاحب ندوی۔

زیرِ نظر کتاب فاضل مصنف کی اسی موضوع پر ایک مفصل کتاب کا خلاصہ ہے۔ مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ اپنی دینی بصیرت، علمی تبحر، اسلامی تاریخ کے وسیع معلومات، عربی زبان کے ادیب و نقاد اور بلادِ عربیہ کی سیاسیات اور اس کے رجال سے واقف ہونے کی بنا پر نہ صرف برصغیر ہند و پاکستان کے حلقۂ علما میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، بلکہ عالمِ اسلام کے ادبا و علما میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ فاضل مصنف کا امتیازِ خاص حق گوئی اور بے لاگ تنقید و تبصرہ ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں بھی فاضل مصنف تاریخی واقعات کے بیان کرنے اور رجالِ تاریخ پر تنقید کرنے میں اپنی نمایاں خصوصیت کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ صوفیاء کے عجمی تصوف اور دینی مدرسوں کے نصابِ تعلیم میں معقولات کی کتابوں کی کثرت، فقہ کی کتابوں سے والہانہ وابستگی اور قرآن و سنت سے غفلت پر سخت نکتہ چینی کی ہے جو قدیم مدرسوں کے تعلیم یافتہ حضرات کو بہت گراں گذری ہو گی۔ لیکن حقیقت نگار مورخ جب کبھی ابن حزم کا قلم مستعار لے لے تو اسے افراد کی ناخوشی و ناپسندیدگی کی کب پروا ہوتی ہے۔

کتاب کا بڑا حصہ برصغیر ہند و پاکستان کی اسلامی دعوت کی گذشتہ تاریخ پر مشتمل ہے۔ موصوف نے اجمالی طور پر ان عرب تاجروں کی تبلیغ اسلام کا ذکر کیا ہے جو عراق و خلیج فارس سے سامانِ تجارت کے ساتھ اسلام کا تحفہ بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور قبل تقسیم ہندوستان کے

ساحلی علاقوں میں غیر مسلموں کو اسلامی مساوات اور شریفانہ سلوک سے متاثر کر کے انہیں مسلمان بناتے
فاضل مصنف نے مشائخ کرام اور صوفیا کی تبلیغی جد و جہد کا بہت اجمالی ذکر کیا ہے ، لیکن اس سے
زیادہ تفصیل کے ساتھ صوفیاء کے فیوض و برکات کا ذکر ہونا چاہیے تھا ۔

فاضل مصنف نے ایک حقیقت نگار مسلم مورخ کی حیثیت سے اس پر اظہار افسوس کیا ہے
کہ محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ سے آگے نہ بڑھ سکیں ۔ اگر عرب فاتحین کے قدم ہندوستان کے
دوسرے علاقوں میں بھی پہنچتے تو نہ صرف سارا ہندوستان ضیاء اسلام سے جگمگا اٹھتا بلکہ اس سرزمین
کا رنگ ہی اور ہوتا اور آج ہندوستان کی زبان بھی طرابلس ، ٹیونس ، الجزائر اور مراکش کی طرح عربی
ہوتی ۔ عرب فاتحین دین اسلام کے ساتھ عربی زبان کی بھی اشاعت کرتے تھے اور ان کے ہاتھوں پر
جو قومیں اسلام قبول کرتی تھیں انہیں مقامی لسانی امتیازات و اختلافات کو مٹا کر ایک بین الملی
اسلامی زبان بھی عطا کرتے تھے ۔

فاضل مصنف نے ایک دوسری تلخ حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ سندھ کے علاوہ
ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو نو مسلم مغل و ترک نژاد فاتحین نے فتح کیا ۔ جنہیں ملک گیری اور
اپنی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کرنے کی جس قدر فکر تھی اتنا اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا جذبہ نہ تھا
بلکہ بعض تو اسلامی احکام کی مطلق پروا بھی نہیں کرتے تھے ۔ جنگ و صلح کے اسلامی احکام و طریق
سے بھی یہ واقف نہیں ہوتے تھے ۔ انہیں اپنی فتوحات اور توسیع مملکت سے غرض ہوتی تھی ۔

اسلام کا شفاف سرچشمہ ترکستان و افغانستان سے گزرتا ہوا جب سرزمین ہند میں داخل
ہوا تو یہ گندلا اور ناصاف ہو چکا تھا اور اپنی گذرگاہوں کے بہت سے خس و خاشاک بھی اپنے
ساتھ بہا لایا ۔

ہندوستان میں اسلامی دعوت کی گو اجمالی تاریخ بیان کی گئی ہے مگر قافلۂ اسلام کو جہاں جہاں
شدید مقابلہ کرنا پڑا ہے وہاں مصنف کا قلم شرح و بسط کے ساتھ گہربار ہوا ہے ۔ عہد اکبری کے فتنۂ
دینی کا مفصل ذکر کر کے علماء سو کی جو اس سلسلہ میں تائید ہوتی تھی اس کی پردہ دری کی ہے ۔ پھر

جہانگیر کے عہد میں جب عہد اکبری کے اس فتنۂ دین کے اثرات شدت کے ساتھ محسوس ہونے لگے تو حضرت احمد مجدد الف ثانیؒ کی مساعی اور اصلاح کا نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ ذکر کیا ہے جس سے مصنف موصوف کی قرآن و سنت کے اتباع کا ولولہ اور خوشبو آتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس زمانہ کی بدعتوں، مشرکانہ رسوم، دربار شاہی میں مشرکانہ تعظیم اور غیر اسلامی آداب کے خلاف جو نعرۂ حق بلند کیا ان تمام امور کی واضح نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کی دینداری، تقویٰ، طہارت اور پاکیزہ زندگی کے ساتھ حسن تدبر، اعلیٰ سیاست، بے مثال شجاعت اور اس کی دینی اصلاحات کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ بادشاہوں کے ذکر کے باب میں جس بادشاہ میں دینی حرارت اور سنتِ نبوی کے اتباع کی تپش محسوس کی ہے اس کو ذکر کیا ہے، اکبر سے ہندو مورخین خوش ہیں اور عالمگیر سے بہت خفا ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اسکی وجہ بھی وہی اول الذکر کی بے دینی اور اسلام دشمنی اور موخر الذکر کی اسلام دوستی اور اس کا جذبہ تبلیغ دین و تعمیل احکامِ الٰہی ہے۔

عہدِ جہانگیری کے علماء میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی کا ذکر خصوصی طور پر ہوا ہے کہ انہی کی ذاتِ گرامی نے پہلی مرتبہ ہندوستان کے عربی مدرسوں میں قرآن و سنت کی تدریس و تعلیم کی طرح ڈالی۔

مصنف کا قلم عہد بعہد حالات کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصلاحی جدوجہد اور اُن کے فیوض و برکات اور اُن کی بے بہا تصنیفات، جیسے حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء، مسویٰ و مصفیٰ شرح موطا کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح ان کتابوں کے ذریعے قوم کی اجتماعی، تعلیمی اور دینی اصلاح کی کوشش کی، اور آج کوئی عالم دین ایسا نہیں جو کسی نہ کسی طرح حضرت شاہ صاحب کے فیوض علمی و دینی سے بہرہ مند نہ ہوا ہو ـــــ اس کے بعد شاہ صاحب کے چاروں فرزندان گرامی شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدین صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کی دینی و علمی خدمات اور تصنیفات کا ذکر جمیل ہے پھر حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی

کے جہاد اور اقامتِ دین کی جدوجہد پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر اسلامی تاریخ کے اس المیہ کا ذکر ہے جسے شہدائے بالاکوٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بالاکوٹ میں ان دونوں علماء ربانیین اور دوسرے مجاہدین کی شہادت اور بالاکوٹ میں طبعی اسباب بیان کیے ہیں کہ دنیا کی خاطر نام نہاد مسلمانوں نے کس طرح سکھوں سے سازش کر کے مصلحین و مجاہدین کی جماعت کو تباہ کیا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی بظاہر ناکامی بھی اپنے اثرات اور نتائج کے لحاظ سے ناکامی نہیں کہی جاسکتی کہ اصلاح و تجدیدِ دین کے متوالوں نے اپنے خون سے کشتِ دین کو جو ایک مرتبہ سینچا تھا آج بھی ہندوستان کے مختلف سبزہ زاروں میں اتباعِ سنت اور احیاءِ دین کے پھول کھلتے چلے جاتے ہیں۔

۱۸۵۷ء میں انگریزی اقتدار سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کی ناکامی کے بعد جب ہندوستان پر انگریزوں کا اقتدار و تسلط مکمل ہوگیا اور مسلمانوں کا مستقبل بظاہر تاریک ہوگیا تو علماء نے ایک طرف دین کی حفاظت کی خاطر دار العلوم دیوبند کی ۱۲۸۳ھ میں بنیاد ڈالی، تو دوسری طرف اس کے دس سال بعد سر سید احمد خاں نے حاکموں کی غلط فہمی دور کرنے اور مسلمانوں کو انگریزوں اور انگریزی حکومت سے قریب کرنے کے لیے مدرسۃ العلوم علیگڈھ کی بنیاد رکھی۔ اس ذکر کے بعد دونوں مدرسۂ فکر کا تجزیہ کرتے ہوئے سرسید احمد خاں کی تحریفِ دین اور مسلّماتِ دینی کے انکار کو بیان کیا ہے۔

پھر ان مختلف الفکر تعلیم گاہوں کے سند یافتہ افراد جوں جوں بڑھتے گئے، دینداروں اور دنیاداروں یا قدامت پسندوں اور تجدد نوازوں کے درمیان کشمکش تیز ہوتی گئی۔ اور مسلم قوم کے درمیان نظری و فکری اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی گئی۔ تاآنکہ قوم کے مختلف گروہوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور جدید و قدیم کی کشاکش کو ختم کرنے کے لیے ملک کے دردمند علماء اور اصحابِ رائے و بصیرت نے ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی اور اس کے ماتحت دار العلوم قائم کیا جس کے نصب العین میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں اور اسلامی فرقوں کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم کرنا شامل تھا۔ ندوۃ العلماء کے مقاصد کے ذکر کے بعد ندوی علماء کی خدمات کا اجمالی ذکر ہے —— قدیم مدرسوں کے طریقِ تعلیم اور نصاب پر

تنقید کی گئی ہے۔ علومِ یونان کے ساتھ عربی مدرسوں کی والہانہ شیفتگی اور متاخرین فقہاء کی کتابوں کے ساتھ دلی وابستگی اور قرآن وسنت کی تعلیم سے غفلت پر شدید نکتہ چینی کی ہے جو بہتوں کو ناگوار ہو گی۔

تحریکِ خلافت کا پس منظر بیان کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند کے جوش وخروش کی افسردگی اور اختلاف کی تحلیل اور اس کے بعد مسلم لیگ کی نشأۃ ثانیہ کا ذکر ہے۔ کتاب کے تقریباً نصف سے کچھ کم صفحات پر جماعت اسلامی کی اقامتِ دین کی جدوجہد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جماعت اسلامی کے مقاصد، طریقِ کار اور مطبوعات کا ذکر ہے۔ فاضل مصنف چونکہ جماعتِ اسلامی کے رہنماؤں میں سے ہیں اس لیے زیرِ نظر کتاب مختصر ہونے کے باوجود جماعتِ اسلامی کے تعارف کے باب میں مفصل اور مبسوط ہے اور بلادِ عربیہ میں اس جماعت کے تعارف کے لیے ایک حد تک کافی ہے۔

البتہ اسلامی دعوت کی تاریخ کے ذکر کے باب میں فاضل مصنف کی ایک بھول چوک کھٹکتی ہے یعنی اس میں نظام الدین بستی دہلی کی جماعتِ تبلیغ کا ذکر نہیں ہے۔ شاید مصنف کی جامع ومفصل کتاب زیرِ طبع میں اس کا ذکر ہو یا اس کا ذکر اس بنا پر قلم انداز کر دیا گیا کہ اس کی جدوجہد خالص دینی نظام کو قائم کرنے کے بجائے سلسلۂ تصوف کی ایک کڑی سمجھی گئی کہ اس کا دائرہ بہت محدود اور اس کا تعلق دین کے ارکانِ خمسہ میں سے صرف تصحیح کلمہ اور اقامتِ صلوٰۃ سے ہے۔ اور دوسری اسلامی تعلیمات کو واضح طور پر پیش کرنے کے بجائے استعاروں اور کنایوں میں پیش کرتی ہے، یا کوئی اور وجہ ہو لیکن میرے نزدیک تبلیغی جماعت کی ابتدائی جدوجہد کے متعلق مذکورہ بالا خیال ممکن ہے صحیح ہو جبکہ اس کا میدانِ عمل دہلی کے گرد ونواح اور میوات کا علاقہ تھا۔ لیکن ۱۹۳۹ء کے بعد جب سے رائے بریلی کے حسنی سادات کے ایک خاندان کے گلِ سرسبد کا اس سے تعلق ہوا ہے تبلیغ کی شان بدل گئی ہے اس روشن ضمیر فاضل[1] روزگار نے اپنی تمام قدرتی صلاحیتوں، توانائیوں اور جان نزار کو تبلیغِ دین کے لیے وقف کر دیا ہے، اور اس مردِ مجاہد کے قلم شگفتہ نگار اور زبانِ شیریں بیان نے اسلام کی تعلیمات کو عرب وعجم میں پیش کیا ہے۔ عصرِ حاضر کے مؤثر اسلوبِ بیان سے ثابت کیا ہے کہ اسلام تمام اجتماعی

[1] میری مراد صدیق مکرم مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی کی ذات ہے۔

بیماریوں کی دوا اور اخلاقی امراض کی شفا ہے، پیش کرنے والے کے علم و تقویٰ اور للہیت کے ساتھ ستھری اور موثر زبان و دلکش اسلوب ادا کا ہر ملک میں عوام و خواص پر گہرا اثر ہوا ہے۔ مصر و حجاز میں اس کے اثرات محسوس کیے گئے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ آئندہ اڈیشن میں اس کمی کی تلافی ہو جائے گی۔

پوری کتاب وسیع مطالعہ کی غماز اور قرآن و سنت کی محبت کی آئینہ دار ہے۔ کتاب کی زبان اور طرز نگارش کے متعلق کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ علامہ محمد البشیر الابراہیمی الجزائری سے جب میری ملاقات ہوئی تو عربی زبان کے ادباء ہند پر گفتگو کے سلسلہ میں انہوں نے فرمایا "مسعود الندوی اصحّھم لغۃً واتقنھم فی العربیۃ" مسعود ندوی صحت لغت اور عربیت میں پختگی کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں۔

مولانا مودودی صاحب کا بیان

جو اس اشاعت میں دیا جا رہا ہے پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع کر دیا گیا ہے

ضخامت	قیمت	سینکڑہ
۵۶ صفحات	۶ ر پرچہ	۳۲ ر روپے

شائع کردہ

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان

اچھرہ - لاہور